بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جماعت اسلامی جس تحریک کو لے کر اٹھی ہے وہ پچھلے اٹھارہ سال میں دو مرحلوں سے گزر چکی ہے اور اب تیسرے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ پہلا مرحلہ خالص تنقید و تعمیر اور تبلیغ و دعوت کا تھا جس کا سلسلہ تقریباً ۹ سال جاری رہا۔ دوسرا مرحلہ تنظیم و تربیت کا تھا اور اس میں تقریباً ۶ سال صرف ہوئے۔ اب تیسرا مرحلہ توسیع اور عملی اقدام کا ہے جسے شروع ہوئے تین سال ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر اپنے موجودہ موقف اور آئندہ راہِ عمل کو خود سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس تحریک کا اور اس کے پچھلے کام کا جائزہ لیں، پھر دیکھیں کہ اس وقت ہم کن حالات اور مسائل سے دوچار ہیں اور ان میں ہمیں کیا کام کس طرح کرنا ہے۔

یہ تحریک جس مقصد کے لئے اٹھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

"انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں (فکر و نظر، عقیدہ و خیال، مذہب و اخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست، قانون و عدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات) سمیت خدا کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔"

یہ مقصد اول روز سے ہمارے پیشِ نظر رہا ہے اور آج بھی یہی ایک مقصد ہے جس کے لئے ہم کام کر رہے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ ہمارے پیشِ نظر کبھی تھا، نہ آج ہے، نہ ان شاء اللہ کبھی ہوگا۔ آج تک جس کام سے بھی ہم نے دلچسپی لی ہے اسی مقصد کے لئے لی ہے، اور اسی حد تک لی ہے جس حد تک ہماری دانست میں اس کا تعلق اس مقصد سے تھا۔

جس چیز کو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اس کا جامع نام قرآن کی اصطلاح میں "دینِ حق" ہے، یعنی وہ نظامِ زندگی (دین) جو حق (پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق اللہ کی بندگی و اطاعت) پر مبنی ہو۔ مگر اس کے لئے کبھی کبھی

ہم نے "حکومتِ الٰہیہ" کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے جس کا مفہوم دوسروں کے نزدیک چاہے جو کچھ بھی ہو، ہمارے نزدیک صرف یہ ہے کہ "اللہ کو حاکم حقیقی مان کر پوری انفرادی و اجتماعی زندگی اس کی محکومیت میں بسر کرنا"۔ اس لحاظ سے یہ لفظ بالکل "اسلام" کا ہم معنیٰ ہے۔ اسی بنا پر ہم ان تینوں اصطلاحوں (دینِ حق، حکومتِ الٰہیہ، اور اسلام) کو مترادف الفاظ کی طرح بولتے رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے حصول کی جدوجہد کا نام ہم نے اقامتِ دین، شہادتِ حق، اور تحریکِ اسلامی رکھا ہے جن میں سے پہلے دو لفظ قرآن سے ماخوذ ہیں اور دوسرا لفظ عام فہم ہونے کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے۔ ان الفاظ میں سے کسی پر اگر لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی ہے تو اس لئے کہ انھوں نے ہماری اصطلاح سے اپنا مفہوم مراد لے لیا، ہمارا مفہوم مراد لیتے تو امید نہ تھی کہ اس پر وہ ناراض ہوتے۔

ہمارے نزدیک اسلام اُن لوگوں کی جائداد نہیں ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں بلکہ خدا نے یہ نعمت اُن سب کے لئے بھیجی ہے جو انسان پیدا ہوئے ہیں خواہ وہ روئے زمین کے کسی خطے میں بستے ہوں۔ اس بنا پر ہمارا مقصد محض مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کی زندگی کو دینِ حق پر قائم کرنا ہے۔ مقصد کی یہ وسعت آپ سے آپ تقاضا کرتی ہے کہ ہمارا اپیل عام رہے اور کسی مخصوص قوم کے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر کوئی ایسا طرزِ عمل نہ اختیار کیا جائے جو اسلام کے اس عام اپیل کو نقصان پہنچانے والا ہو یا اُس کی نقیض واقع ہوتا ہو۔ مسلمانوں سے ہماری دلچسپی اس بنا پر نہیں ہے کہ ہم اُن میں پیدا ہوئے ہیں اور وہ ہماری قوم ہیں، بلکہ ان کے ساتھ ہماری دلچسپی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کو مانتے ہیں، دُنیا میں اس کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں، نوعِ انسانی تک اس کا پیغام پہنچانے کے لئے انھی کو ذریعہ بنایا جا سکتا ہے، اور دوسروں کے لئے اس پیغام کو مؤثر بنانا اس کے بغیر ممکن بھی نہیں ہے کہ جو لوگ پہلے سے مسلمان ہیں وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں پورے اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں۔ اسی بنا پر ہمارا راستہ اُن لوگوں کے راستے سے ہمیشہ الگ رہا ہے اور آج بھی الگ ہے جنھیں مسلمانوں سے اصل دلچسپی اس لئے ہے کہ وہ ان کی قوم ہیں اور اسلام سے یا تو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے یا ہے تو اس وجہ سے ہے کہ وہ ان کی قوم کا مذہب ہے۔

ہم نے اپنے مقصد کے لحاظ سے اپنی تحریک کو اس طرز پر اٹھایا ہے کہ ایک طرف اس کی دعوت تمام انسانوں کے لئے عام رہے، اور دوسری طرف مسلمانوں کو اسلام کی مکمل اور صحیح علمی اور عملی شہادت دینے کے لئے تیار

کیا جائے۔ ہم نے کبھی اسلام اور مسلم قومیت کے فرق و امتیاز کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے۔ ہم نے اسلام کے اصول و احکام اور اسلامی دعوت کے مفاد کو ہمیشہ قوم اور قومی مفاد پر مقدم رکھا ہے اور جہاں کہیں ان دونوں چیزوں میں تناقض واقع ہوا، ہم ایک لمحے کے لیے بھی اسلام کی خاطر قوم اور اس کے مفاد سے لڑ جانے میں تامل نہیں ہوا ہے۔ ہم نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کے لیے کوشش کی تو اس لیے نہیں کہ دوسری قوموں کی طرح اس قوم کا بھی امتیازی وجود برقرار رہے بلکہ صرف اس لئے کہ یہ قوم دنیا میں حق کی شہادت ادا کرنے کے لئے زندہ رہے۔ ہم نے ایک آزاد مسلم مملکت کا قیام بھی چاہا تو اس غرض سے نہیں کہ روئے زمین پر ایک اور ٹرکی یا ایک اور مصر یا ایران کا اضافہ ہو جائے بلکہ صرف اس غرض سے کہ ایک خالص اسلامی ریاست قائم ہو جو اسلامی نظام زندگی کا مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ ہماری اس پوزیشن کو وہ لوگ کبھی نہ سمجھ سکے جو اسلام اور مسلم قومیت کو گڈمڈ کرتے ہیں، یا قوم کو دین پر مقدم رکھتے ہیں، یا دین کے بجائے صرف قوم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہمارے اور ان کے راستے اگر کبھی کہیں ملے بھی تو عارضی طور پر اس جگہ جہاں اتفاقاً اسلام نے ہمیں اور ان کو جمع کر دیا، ورنہ اکثر ہمارے اور ان کے طرز فکر و عمل میں تصادم ہی رہا۔ اس تصادم کے نتیجے میں ہم کو بارہا "غداری" کے طعنے بھی سننے پڑے ہیں مگر یہ طعنے ہمارے لئے بالکل بے معنی ہیں۔ ہم وفاداری کا مستحق صرف خدا اور رسول کو سمجھتے ہیں، پھر اس کو جو خدا اور رسول کا وفادار ہو۔ اس وفاداری سے انحراف تو البتہ ہمارے نزدیک دنیا و آخرت میں لعنت کا موجب ہے لیکن اگر اس وفاداری میں ہم ثابت قدم ہوں تو پھر دوسری چیز جس کا بھی ہمیں غدار ٹھیرایا جائے وہ ہمارے لئے باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہے۔

"دین حق" اور "اقامت دین" کے تصور میں بھی ہمارے اور بعض دوسرے لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ہم دین کو محض پوجا پاٹ اور چند مخصوص مذہبی عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک یہ لفظ طریق زندگی اور نظام حیات کا ہم معنی ہے اور اس کا دائرہ انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں اور تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ زندگی کو الگ الگ حصوں میں بانٹ کر الگ الگ نظریات اور الگ الگ اسکیموں کے ماتحت چلایا جا سکتا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس طرح کی تقسیم اگر کی بھی جائے تو وہ قائم نہیں رہ سکتی، کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف پہلو انسانی جسم کے اعضاء کی طرح ایک دوسرے سے ممیز ہونے کے باوجود آپس میں اس طرح پیوستہ ہیں کہ وہ سب مل کر ایک کل بن جاتے ہیں اور ان کے اندر ایک ہی روح جاری و ساری ہوتی ہے۔ یہ روح اگر خدا اور آخرت سے بے نیازی

اور تعلیم انبیاء سے بے تعلقی کی روح ہو تو پوری زندگی کا نظام ایک دینِ باطل بن کر رہتا ہے اور اس کے ساتھ خدا پرستانہ مذہب کا ضمیمہ اگر لگا کر رکھا بھی جائے تو مجموعی نظام کی فطرت بتدریج اس کو مضمحل کرتے کرتے آخر کار بالکل محو کر دیتی ہے۔ اور اگر یہ روح خدا و آخرت پر ایمان اور تعلیم انبیاء کے اتباع کی روح ہو تو اس سے زندگی کا پورا نظام ایک دینِ حق بن جاتا ہے جس کے حدودِ عمل میں ناخدا شناسی کا فتنہ اگر کہیں رہ بھی جائے تو زیادہ دیر تک پنپ نہیں سکتا۔ اس لئے ہم جب "اقامتِ دین" کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب محض مسجدوں میں دین قائم کرنا، یا چند مذہبی عقائد اور اخلاقی احکام کی تبلیغ کر دینا نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ گھر اور مسجد، کالج اور منڈی، تھانے اور چھاؤنی، ہائی کورٹ اور پارلیمنٹ، ایوانِ وزارت اور سفارت خانے، سب پر اُسی ایک خدا کا دین قائم کیا جائے جس کو ہم نے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا ہے اور سب کا انتظام اُسی ایک رسول کی تعلیم کے مطابق چلایا جائے جسے ہم اپنا ہادی برحق مان چکے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہماری ہر چیز کو مسلمان ہونا چاہیئے۔ اپنی زندگی کے کسی پہلو کو بھی ہم شیطان کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں سب کچھ خدا کا ہے شیطان یا قیصر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

ہماری ان باتوں پر وہ سب لوگ برہم ہیں جنھوں نے مذہب کا ایک محدود تصور اختیار کر رکھا ہے، جو تفریقِ دین و دنیا اور اصطلاحاً مذہب و سیاست کے قائل ہیں، جن کے نزدیک زندگی خدا اور قیصر کے درمیان تقسیم ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے، اور جن کی نگاہ میں خدا پرستی کا دین بے خدا تمدن و سیاست کے ساتھ زندگی کا بٹوارا قبول کر سکتا ہے اور صرف مسجد و خانقاہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باقی سب کچھ اپنے حریف کے لئے چھوڑ سکتا ہے۔ یہ لوگ ہم پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ تم مذہب کی تبلیغ کرو، سیاست میں کیوں دخل دیتے ہو؟ مگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"۔ اب کیا یہ لوگ ہم سے چاہتے ہیں کہ ہماری سیاست پر چنگیزی مسلط رہے اور ہم مسجد میں "مذہب" کی تبلیغ کرتے رہیں؟ اور آخر وہ مذہب کونسا ہے جس کی تبلیغ کے لئے وہ ہم سے کہہ رہے ہیں؟ اگر وہ پادریوں والا مذہب ہے جو سیاست میں دخل نہیں دیتا، تو ہم اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ قرآن و حدیث کا مذہب ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، تو وہ سیاست میں محض دخل ہی نہیں دیتا بلکہ اُس کو اپنا ایک جزء بنا کر

رکھنا چاہتا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ تم پہلے مذہبی لوگ تھے، اب سیاسی گروہ بن گئے ہو۔ حالانکہ ہم پر کبھی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا ہے جب ہم غیر سیاسی مذہب کے لحاظ سے "مذہبی" رہے ہوں اور آج خدا کی لعنت ہو ہم پر اگر ہم غیر مذہبی سیاست کے لحاظ سے "سیاسی" بن گئے ہوں۔ ہم تو "اسلام" کے پیرو ہیں اور اسی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جتنا مذہبی ہے اتنے ہی ہم مذہبی ہیں اور ابتدا سے تھے۔ اور وہ جتنا "سیاسی" ہے اتنے ہی ہم سیاسی ہیں اور ابتدا سے تھے۔ تم نے نہ کل ہمیں سمجھا تھا جبکہ ہم کو "مذہبی" گروہ قرار دیا، اور نہ آج سمجھا ہے جبکہ ہمارا نام "سیاسی جماعت" رکھا ہے۔ سیاست اور مذہب دونوں میں تمہارا استاد یورپ ہے۔ اس لئے نہ تم نے اسلام کو سمجھا اور نہ ہمیں۔

کوئی کہتا ہے کہ خدا تو صرف معبود ہے، تم نے یہ سیاسی حاکمیت اس کے لئے کہاں سے ثابت کر دی؟ اور اس پر غضب یہ ہے کہ تم اس حاکمیت کو اللہ کے لئے مخصوص کرتے ہو اور انسانی حاکمیت کے منکر ہو۔ یہ تو خالص خارجیت ہے، کیونکہ تمہاری طرح خارجی بھی یہی کہتے تھے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ مگر ہمارے نزدیک قرآن اور حدیث کی رو سے خدا کا حق صرف عبادت و پرستش ہی نہیں ہے بلکہ طاعت و عبدیت بھی ہے۔ ان میں سے جس حق میں بھی خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے گا، شرک ہوگا۔ بندوں میں سے کسی کی اطاعت اگر کی جاسکتی ہے تو صرف خدا کے اذنِ شرعی کی بنا پر کی جاسکتی ہے اور وہ بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر۔ رہا خدا سے بے نیاز ہو کر مستقل بالذات مطاع ہونا تو وہ تو رسولؐ کا حق بھی نہیں ہے کجا کہ کسی انسانی ریاست یا سیاسی و تمدنی ادارے کا حق ہو۔ جس قانون، عدالت اور حکومت میں خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو سند نہ مانا جائے، جس کا بنیادی اصول یہ ہو کہ اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں اصول اور فروع تجویز کرنا انسانوں کا اپنا کام ہے، اور جس میں قانون ساز مجلسیں خدائی احکام کی طرف رجوع کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہ تسلیم کرتی ہوں اور عملاً اُن کے خلاف قوانین بناتی ہوں، اس کی اطاعت کے لزوم تو درکنار جواز تک کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے۔ اس بلا کو زیادہ سے زیادہ صرف برداشت کیا جاسکتا ہے جبکہ انسان اس کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار ہو جائے۔ مگر جو شخص ایسی حکومتوں کے حقِّ فرمانروائی کو تسلیم کرتا ہے اور اس بات کو ایک اصولِ برحق

کی حیثیت سے مانتا ہے کہ خدائی ہدایت کو چھوڑ کر انسان بطورِ خود اپنے تمدن، سیاست اور معیشت کے اصول اور قوانین وضع کر لینے کے مجاز ہیں، وہ اگر خدا کو مانتا ہے تو شرک میں مبتلا ہے ورنہ زندقہ میں۔ ہمارے اس مسلک کو "خارجیت" سے تعبیر کرنا مذہبِ اہلِ سنت اور مذہبِ خوارج، دونوں سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ علمائے اہلِ سنت کی لکھی ہوئی کتبِ اصول میں سے جس کو چاہیے اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ اس میں یہی لکھا ملے گا کہ حکم دینے کا حق اللہ کے لئے خاص ہے۔ مثال کے طور پر علامہ آمدی اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں: اعلم انہ لا حاکم سوی اللہ ولا حکم الا ما حکم بہ "جان لو کہ حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور حکم صرف وہ ہے جو اللہ نے دیا ہے"۔ اور شیخ محمد خضری اپنی اصول الفقہ میں کہتے ہیں: ان الحکم ھو خطاب اللہ فلا حکم الا للہ وھذہ قضیۃ اتفق علیھا المسلمون قاطبۃ۔ "درحقیقت حکم اللہ کے فرمان کا نام ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکم دینے کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔" یہ صرف دو "خارجیوں" کے اقوال ہم نے بطورِ مثال نقل کر دیئے ہیں۔ اس طرح کے "خوارج" کی آپ جس قدر چاہیں طویل فہرست دی جا سکتی ہے۔

———+———

کچھ اور لوگ ہیں جو چندر راچندر اکر پوچھتے ہیں کہ یہ حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی حکومت کا قیام کس نبی کی دعوت کا مقصود رہا ہے؟ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جو قرآن اور توراۃ میں عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ دیوانی اور فوجداری قوانین اور صلح و جنگ کے احکام، اور معیشت و معاشرت کے قواعد و ضوابط، اور سیاسی تنظیم کے اصول بیان ہوئے ہیں کیا یہ سب محض تفننِ طبع کے لئے ہیں؟ کیا یہ آپ کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی تعلیمات میں سے جس چیز کو چاہیں جزوِ دین مانیں اور جسے چاہیں غیر ضروری زوائد میں شمار کریں؟ کیا انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیاسی نظام قائم کئے وہ ان کی پیغمبرانہ دعوت کے مقاصد میں سے نہ تھے، محض اتفاقات سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اپنا شوقِ فرمانروائی پورا کیا تھا؟ کیا دُنیا میں کوئی قانون اس لئے بھی بنایا جاتا ہے کہ صرف اس کی تلاوت کر لی جائے، اس کا نفاذ سرے سے مقصود ہی نہ ہو؟ کیا واقعی ایمان اسی چیز کا نام ہے کہ ہم روز اپنی نمازوں میں کتاب اللہ کی وہ آیات پڑھیں جن میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق اصول اور احکام بیان ہوئے ہیں اور رات دن ہماری زندگی کے اکثر و بیشتر معاملات اُن کے خلاف چلتے رہیں؟

———+———

خُدا کی بندگی جس پر ہم پورے نظامِ زندگی کو قائم کرنا چاہتے ہیں: اس کے بارے میں بھی ہمارا ایک واضح مسلک ہے اور وہ مختلف گروہوں کو مختلف وجوہ سے پسند نہیں آتا۔ ہمارے نزدیک ہر شخص اس کا مختار نہیں ہے کہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جس طرح چاہے خدا کی بندگی کرے، بلکہ اس کی ایک ہی صحیح صورت ہے اور وہ اُس شریعت کی پابندی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اس شریعت کے معاملے میں کسی مسلمان کے اس حق کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس کی جن باتوں کو چاہے قبول کرے اور جن باتوں کو چاہے رد کر دے، بلکہ ہم اسلام کے معنی ہی اطاعتِ حکمِ خداوندی اور اتباعِ شریعتِ محمدیؐ کے سمجھتے ہیں۔ شریعت کے علم کا ذریعہ ہمارے نزدیک صرف قرآن نہیں ہے بلکہ حدیث بھی ہے، اور قرآن و حدیث سے استدلال کا صحیح طریقہ ہمارے نزدیک یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے نظریات پر خدا اور رسول کی ہدایات کو ڈھالے بلکہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نظریات کو خدا اور رسول کی ہدایات پر ڈھالے۔ پھر ہم نہ تو تقلیدِ جامد کے قائل ہیں جس میں اجتہاد کی جگہ نہ ہو اور نہ ایسے اجتہاد کے قائل ہیں کہ ہر بعد کی نسل اپنے سے پہلے کی نسلوں کے سارے کام پر پانی پھیر دے اور بالکل نئے سرے سے ساری عمارت اٹھانے کی کوشش کرے۔

اس مسلک کا ہر جُز ایسا ہے جس سے ہماری قوم کا کوئی نہ کوئی گروہ ہم سے ناراض ہے۔ کوئی سرے سے خدا کی بندگی کا قائل ہی نہیں ہے۔ کوئی شریعت سے بے نیاز ہو کر اپنی صواب دید کے مطابق خدا کی بندگی کرنا چاہتا ہے۔ کوئی شریعت میں اپنا اختیار چلانا چاہتا ہے اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ اسے پسند ہے وہ اس شریعت میں رہے اور جو اُسے پسند نہیں ہے وہ شریعت سے خارج ہو جائے۔ کوئی قرآن و حدیث سے قطع نظر کر کے اپنے من گھڑت اصولوں کا نام اسلام رکھے ہوئے ہے۔ کوئی حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن کو مانتا ہے۔ کوئی اصول اور نظریات کہیں باہر سے لے آیا ہے یا اپنے دل سے گھڑ لایا ہے اور پھر زبردستی قرآن و حدیث کے ارشادات کو اُن پر ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کسی کو تقلیدِ جامد پر اصرار ہے اور کوئی تمام پچھلے ائمہ کے کارناموں کو دریا برد کر کے نیا اجتہاد کرنا چاہتا ہے۔

ہمارا راستہ ان سب گروہوں سے الگ ہے اور ہم مجبور ہیں کہ ان سے اختلاف بھی کریں اور ان کے علی الرغم اپنے مسلک کی تبلیغ بھی کریں۔ اسی طرح دوسروں کے بھی اس حق کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جس معاملے میں ہم کو غلطی پر سمجھتے ہیں اس میں ہم سے اختلاف کریں اور ہمارے علی الرغم اپنے مسلک کی تبلیغ کریں۔ اب ہر شخص جو ہندوستان یا پاکستان میں رہتا ہے اور

(بقیہ ص ۳۶۴ پر ملاحظہ فرمائیے)

(ا۔م)

(بقیہ اشارات) مختلف گروہوں کے لٹریچر پر نظر رکھتا ہے، خود ہی یہ دیکھ سکتا ہے کہ اپنی تنقید و تبلیغ میں ہمارا رویہ کیا رہا ہے اور ہمارے مخالفین نے جواب میں کس تہذیب و شرافت اور معقولیت کا ثبوت دیا ہے۔

یہاں تک ہم نے جماعت اسلامی کی تحریک، اس کے مقصد اور اس کی امتیازی خصوصیات پر گفتگو کی ہے آگے چل کر ان صفحات میں ان شاء اللہ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ پچھلے اٹھارہ سال میں یہ تحریک کن مراحل سے گزرتی ہوئی آئی ہے۔